عصمت چغتائی

کے ناول

دل کی دنیا

کا

تجزیاتی مطالعہ

شبنم رضوی

دل کی دنیا کا تجزیاتی مطالعہ

فن کار کو اپنی ہر تخلیق پسند آئے یہ ضروری تو نہیں اور ممکن ہے کہ اس کو جو تخلیق پسند آئے وہ عوام کو پسند نہ آئے۔ عصمت چغتائی کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ عصمت چغتائی جیسی اعلیٰ درجہ کی فنکار نے جب ناول 'ضدی'، 'ٹیڑھی لکیر' اور 'معصومہ' کے بعد ''دل کی دنیا'' ۱۹۶۱ء میں لکھی تو سنجیدہ ناقدین نے اس ناول پر توجہ نہیں دی اور زیادہ تر ناقدین عصمت کی ناول ''ٹیڑھی لکیر'' کی ہی تعریف کرتے رہے اور شاہکار ناول مانتے رہے، مگر جب عصمت چغتائی سے ایک انٹرویو کے دوران پوچھا گیا کہ ان کی پسندیدہ ناول کونسی ہے؟ تو انہوں نے برجستہ دل کی دنیا کا نام لیا۔ عصمت رقم طراز ہیں...... ''دل کی دنیا مجھے اتنی پیاری لگتی ہے کہ اپنی ساری تحریر کو اس پر نچھاور کر دوں، یہ میرے بچپن سے متعلق ہے مگر اس کا کسی نے (نقادوں) نوٹس نہیں لیا۔ سب نے مجھے ادبی دنیا کا Vamp بنا دیا مگر جو درد میں نے محسوس کیا اور کسی نے محسوس نہیں کیا......''[1]

دل کی دنیا کی مختصر سے ناول میں عصمت نے اپنے قلم سے وہ جادو چلایا ہے کہ جو ''ٹیڑھی لکیر'' جیسے ضخیم ناول میں بھی پیش نہ کر پائیں تھیں۔

اس ناول میں دل کی حکمرانی ہے، مگر عصمت یہ بتانا چاہتی ہیں کہ کامیاب وہی شخص ہوتا ہے جو دل کے علاوہ دماغ سے بھی کام لے۔ دل وہ جگہ ہے جہاں خواب پلتے ہیں اور دماغ وہ جگہ ہے جہاں سے خواب پورے ہوتے ہیں۔ اس ناول کی کردار نگاری لاجواب اور بے مثال ہے۔ اس ناول کے دو کردار اہم ہیں، ایک تو بوا دوسری قدسیہ خالہ۔ ان دونوں کرداروں کو ایک دوسرے کی توسیع مانا جانا چاہئے۔ کیونکہ جہاں سے بوا کا زوال شروع ہوتا ہے وہاں سے قدسیہ ابھرتی ہیں اور جہاں سے قدسیہ ابھرتی ہیں وہاں سے بوا کی زندگی کی شام شروع ہو جاتی ہے۔ بظاہر یہ دو بدنصیب عورتوں کی کہانی ہے، جنکے شوہر انہیں دغا دے گئے، جنھوں نے زندگی کی خوشیاں پانے کے لئے کیا کیا نہیں کیا۔ مایوس رہیں، گڑگڑائیں، روئیں، فریاد کی، ور جب اس سے کام نہیں چلا تو آخر کار مکاری کی...... اور کامیاب ہوئیں۔ تو کیا یہ ناول عورتوں کو مکاری سکھاتا ہے...... نہیں بالکل نہیں۔

اس ناول سے ہمیں زندگی کے نشیب و فراز اور زندگی کی حقیقتیں سمجھ میں آتی ہیں اور انسانوں کے نہاں خانوں تک پہونچنے کا سلیقہ ملتا ہے۔ کہ ایک زندگی وہ ہوتی ہے جو ہم جینا چاہتے ہیں اور ایک وہ کہ جو ہم جی رہے ہوتے ہیں۔ ''دل کی دنیا'' نے یہ ثابت کر دیا کہ خوشی صرف انہیں کو ملتی ہے جو خوش رہنا چاہتے ہیں۔ یہاں دو کرداروں کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔

بوا کا المیہ یہ ہے کہ جب انکی بارات لوٹ رہی تھی تب گھاگھرا ندی میں باڑھ کی وجہ سے سارے باراتی اور دولہا ڈوب گئے اور بوا تین روز بعد ندی میں تیرتی ملیں۔ اس کے بعد ان کا ذہنی توازن کھو گیا اور وہ پاگل مشہور ہو گئیں اور خود بوا نے اس پاگل پنے کو محبت کا نام دیا......

بقول عصمت

''اے بی میاں تم پر عاشق کیسے ہو گئے؟'' قدسیہ خالہ پوچھتیں

''دل آنے کو!!'' بوا نخرے سے مسکراتیں

---

[1] عصمت چغتائی اور تو... ایڈیشن ... (آج کل) ۱۹۰۰۳

شبیر حسن قدسیہ خالہ کے دیور لگتے تھے۔ جب کبھی انکا دل گھبراتا تو وہ فرمائش کرتیں اور شبیر حسن نعتیں سنانے۔ نعتیں سنتے سنتے وہ روتی اور برا حال کرلیتی۔ شادی بیاہ تیج تیوہار، خوشی کا کوئی بھی موقع ہو قدسیہ اپنے اوپر دورے ڈال لیتیں۔ ہاتھ پیر اینٹھ جاتے، آنکھیں چڑھ جاتیں، دانتی بھنچ جاتی۔ اور گھر ماتم کدہ بن جاتا۔ اس طرح قدسیہ احساس کم تری کا شکار ہوتی گئی۔

''دل کی دنیا ایک بے بس، لاچار اور کمزور لڑکی کی کہانی بن کر رہ جاتی اگر عصمت چغتائی نے اس کے کردار کے وہ پہلو نہ اجاگر کئے ہوتے جو بوا کی صحبت سے اس میں آئے۔

بوا بھی قدسیہ کی ہم عمر تھیں یا ایک آدھ سال بڑی۔ انکی زندگی کا المیہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بوا اپنے بالے میاں کو اپنا عاشق اور شوہر مانتیں۔ بقول پروفیسر شریف احمد'' بالے میاں اور ان کے ساتھ بوا کی رومانی شادی محض ایک ٹٹی تھی۔ جس کی آڑ میں بوا نے آزادی اور من چاہی زندگی گزارنے کی ایک تدبیر ڈھونڈ ھ نکالی تھی۔ اس تدبیر کے بغیر دنیا والوں کا منہ ہرگز بند نہیں ہو سکتا تھا......'' 1

مگر عوام کی نظر میں یا تو بوا پاگل ہو گئی تھیں یا ان پر بالے میاں کا سایہ تھا۔ یہاں عصمت نے سماج پر ایسی طنز بھری چوٹ کی ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ حکیم صاحب کا ایک جملہ'' عورت کی عزت مرد کے بغیر محفوظ نہیں'' تمام ہندوستانیوں کا خیال بیان کرتا ہے۔ مگر کمسن بوا نے نہایت چالاکی سے بالے میاں غازی سالار جنگ کو اپنا عاشق بنالیا۔ انکا مادی نہیں تو روحانی شوہر تو ساتھ ہے۔ اور اسی روحانی اور خیالی شوہر کے بل بوتے پر وہ دنیا بھر کو بے وقوف بناتی ہیں۔ وہ رنگ برنگے کپڑے پہنتیں، سنگھار کرتیں، عطر اور پھول لگاتیں، چوڑی اور زیور پہنتیں، مردوں کے ساتھ محفل میں بیٹھ کر قوالی سنتیں، اکیلے پکچر دیکھتیں، طرح طرح کے رومانٹک گیت گاتیں، جب جسکو جی چاہتا گالیوں سے نوازتیں، کسی کا کوئی لحاظ نہ رکھتیں، بے دھڑک جو جی چاہتا کرتیں اور کہتیں، اور کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ انہیں ٹوکے۔ غنڈے انکی عزت کرتے۔ چور راستہ دیتے۔ مولوی اور پیر بزرگ انکا احترام کرتے کیوں؟ کیونکہ انکا روحانی معاملہ تھا اور روحانی اور خیالی شوہر موجود تھا۔

قدسیہ خالہ کا بوا سے ملنا اور انکی صحبت میں وقت گزارنا انکی زندگی میں بڑا معنی رکھتا ہے۔

بقول ڈاکٹر سید وضاحت حسین رضوی''...... بوا کا کردار معاشرے کی ان لڑکیوں کی نمائندگی کرتا ہے جو سماجی ناانصافی کا شکار ہو کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتی ہیں۔ مگر ان کے عشق کا جذبہ خواہ کسی صورت میں کیوں نہ ہو مرتے دم تک باقی رہتا ہے......'' 2

اور ہم دیکھتے ہیں۔ اسی عشق کے جذبے نے قدسیہ کو بھی مضبوط بنادیا۔ قدسیہ کا بوا سے ملنا اور انکی صحبت میں وقت گزارنا، قدسیہ کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جب قدسیہ نے بوا کی زندگی اور اپنی زندگی کا مقابلہ کیا تب انکی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا کہ یہ بوا کمزور اور بے سہارا ہوتے ہوئے بھی اپاہج اور مجبور نہیں تھیں۔ عورتوں کا کون کہے انہیں تو مردوں کے تمام حقوق حاصل تھے۔

بوا کے بالے میاں ساتھ تھے لہذا طرح طرح کے معجزے ان کے ساتھ مشہور ہونے لگے۔ کوئی انہیں ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ برا ہو جاتا۔ اس طرح انکے بارے میں پھیلی افواہ کو تقویت ملتی رہی۔ اگر کسی نے انہیں غیر معمولی شے نہیں مانا تو وہ تھے مستقیم چچا۔ خود زمانے بھر میں بدنام تھے۔ اپنی ساری دولت رنڈیوں پر لٹا چکے تھے، اور انہیں کی کمائی پر راج کر رہے تھے۔ انہوں نے بوا کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ ہمیشہ انکی شخصیت پر شک کرتے رہے اور نفی کرتے رہے۔ یہ کردار ایک ایسا کردار ہے جو اس ناول کا روح رواں ہے۔ جب جب اس کردار نے کہانی میں قدم رکھا ہے ایک گویا کر کے دیا۔ خاندان سے بھر دو [illegible] دیا اپنا پہلا فریضہ سمجھتا اور جب لڑائی چھڑ جاتی تو سب کو ڈانٹ کر شرمندہ کر دیتا۔ قدسیہ سے مستقیم چچا کو خاص لگاؤ تھا۔ اور ان کے وہ نانی بی بی سے آم کے باغ اپنے نام لکھوانا چاہتے تھے۔ جب نانی بی بی نے بتایا کہ وہ قدسیہ کے نام ہے تو بولے قدسیہ میت ... وہ بات بات میں انہوں

---

1 دل کی دنیا (دیباچہ) عصمت چغتائی صفحہ ۱۲

2 اردو ناول کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ ڈاکٹر سید وضاحت حسین رضوی صفحہ ۵۱۹

''اب ای ہم کا بتاویں۔ ان ہی سے پوچھ لو۔ ای کا سامنے کھڑے مسکراوت ہیں۔'' وہ سپاٹ دیوار کی طرف ٹھینگے سے اشارہ کرتیں اور سب ڈر کے

ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔ ....

میاں بڑے ضدی اور ہٹیلے تھے، ہروقت چھیڑ خانیاں کیا کرتے۔ کبھی آنچل پکڑ کے کھینچ رہے ہیں، کبھی چوڑیاں مرکاے دیتے ہیں۔'' ۱

اس طرح بوا نے اپنی مادی زندگی میں رنگ بھر لیا۔ خیالی ہی سہی، روحانی ہی سہی، شوہر تو ہے، محبوب تو ہے۔

اور بوا اسی خیالی شوہر کے بل بوتے پر عطر، پھول، تیل، چوڑیاں، رنگین کپڑے وغیرہ پہنتیں۔ جب جہاں جی چاہتا جاتیں، جسکو چاہتی گال

دیتیں۔ برا بھلا کہتی۔ رات برات گھومتیں۔ بلند آواز میں عشقیہ گیت گاتیں، اگر آج کل کی زبان میں کہیں تو بوا ایکدم بنداس زندگی جی رہیں تھیں۔ جہاں پ

انکی حکمرانی چلتی تھی، جہاں وہ بادشاہ تھیں۔ ان سے غنڈے موالی ڈرا کرتے، اور لفنگے تک انہیں نہ چھیڑتے اور اگر کبھی کوئی چھیڑ بھی بیٹھتا تو ان سے وابستہ

ایسے ایسے قصہ مشہور ہو جاتے کہ لوگوں میں ڈر سما جاتا۔ بقول عصمت ...... ''وہ ایک کمزور عورت ہوتے ہوئے بھی اپاہج اور مجبور نہیں تھیں۔ مردوں کے تمام

حقوق انہیں حاصل تھے ۲

دوسری طرف قدسیہ خالہ تھیں۔ جنکی شادی پندرہ برس کی عمر میں ایک رشتہ کے ماموں کے ساتھ ہو گئی تھی۔ شادی کی شرط یہ تھی کہ لڑکا سسرال کے پیسے

سے ولایت جائیگا۔ شادی کے چند روز بعد ہی قدسیہ کے شوہر ولایت چلے گئے۔ شروع میں تو زبردست خط و کتابت ہوتی رہی اور عشق چلتا رہا۔ پھر یہ سلسلہ کم

ہوتا رہا اور آخر ختم ہو گیا۔ قدسیہ کے شوہر ولایت سے دس برس بعد تو ساتھ میں گوری میم لے کر۔ سوت کے غم کے باوجود قدسیہ نے تمام ہندوستانی وفادار بیوی

کی طرح انکی بننے میں بھی کوئی عذر محسوس نہ کیا۔ خط پہ خط لکھے، پیغام پہ پیغام بھیجے کہ'' ۔مجھے میم صاحب کی آیا سمجھ کر ہی ایک کونے میں ڈال لیجئے۔ آپ

دونوں کی خدمت کروں گی۔ جوٹن کھاؤں گی، اترن پہنوں گی ......'' ۳

مگر قدسیہ خالہ کے شوہر نے اف نہ کیا، انکا دل نہ پسیجا۔ انکے لئے جینے کا کوئی سہارا نہ تھا۔ پچیس برس کی قدسیہ کے لئے دنیا اندھیری تھی۔ انکی مایوسی

بے زاری اور لاپروائی بڑھتی گئی۔ انکی شخصیت فرسٹیٹیڈ ہوتی گئی۔ بچوں کا کھیل انہیں شور معلوم ہوتا۔ گھر کے بڑے بوڑھوں کو وہ اپنا آدرش مانتی اور انکے

پر چلتی، انکا کہنا مانتی۔ دنیا سے بے زار قدسیہ خالہ کی زندگی کچھ ایسی تھی۔

''اے بٹی قدسیہ ذرا سا دودھ پی لو''

''اچھا بی اماں''

''بٹی اب لیٹ جاؤ کب سے کھونا سی بیٹھی ہو؟''

اے ہے کب تک پڑی رہوگی۔ اب اٹھ بیٹھو'' ۴

غرض قدسیہ کی زندگی اسی اٹھو، بیٹھو، کھاؤ، پیو تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اور قدسیہ گھر کا ایک اہم اخلاقی مسئلہ بن گئی تھی۔ ہر ایک کی نگاہ انہی پر کی رہتی

اور ہر وقت نصیحت ہوتی۔ ذرا سا بھی اپنی حرکت و عمل کو بدلتی تو انکو ڈھیروں نصیحت سننی پڑتی'' ......ارے کمبخت تجھے سہاگ کا بھی مان نہیں۔ اس نے کوئی

نہیں کیا۔ شرع میں چار نکاحوں کا حکم ہے تم ہی ایک نرالی نہیں ہو۔ ہزاروں پر پڑتی ہے مگر شرافت سے جھیلتی ہیں ......'' ۵

اس قسم کی نصیحت سے قدسیہ کی ہمت جواب دے جاتی کیونکہ بھرے پرے گھر میں ایک تنہا عورت کس کس کا منہ بند رکھتی اور کس کس کے سوالوں کا

جواب دیتی اور آنکھوں کے طنز کا وار سہتی۔ لہذا قدسیہ خالہ دو دو دن منہ نہ دھوتیں، ہفتوں بال نہ جھاڑتیں، کپڑے چیکٹ ہو جاتے مگر قدسیہ کو ہوش نہ

ہوتا۔ وہ راشد الخیری کی صبح زندگی، شام زندگی ناول پڑھ کر گھنٹوں ہچکیاں باندھ کر رویا کرتیں۔

۱-۲ دل کی دنیا عصمت چغتائی صفحہ ۵۲-۵۵

۳-۴-۵ معصومہ عصمت چغتائی صفحہ ۳۲-۶۲-۹۷

نے اشارہ کردیا کہ وہ قدسیہ سے شادی کرنے کو تیار ہیں، مگر خود قدسیہ مستقیم چچا کو ایک آنکھ نہ پسند کرتی۔ مگر بقول نیلم فرزانہ ''مچھو چچا جو قدسیہ کے خاموش عاشق تھے انہیں زندگی بھر چاہتے رہے۔'' 1

اس ناول کا سب سے عمدہ پہلو وہ ہے جب قدسیہ خالہ بوا جیسی پاگل اور کمزور عورت سے تحریک لے کر جی اٹھتی ہیں۔ اور زندگی کا سب سے بڑا سبق حاصل کرتی ہیں خود اعتمادی کا، اور ''جو بڑھ کے خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے'' والی کہاوت کا۔

قدسیہ خالہ میں رفتہ رفتہ تبدیلی آنی شروع ہوگئی تھی، اور یہی تبدیلی ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ایک طرف بوا کو گھر کی عورتوں نے نہایت چالاکی سے اپنے جال میں پھنسانا شروع کیا اور انکی آزادی پر نظر لگادی تو دوسری طرف اسی گھر کی معصوم چڑیا قدسیہ خالہ کے پر نکلنے شروع ہوئے۔ بوا کے پر کترنے کی تیاری ہو رہی تھی اور دوسری طرف قدسیہ خالہ اپنے ننھے پر سے اونچی اڑان بھرنے کی تیاری میں لگی تھیں۔

ایک طرف بوا کو اماتاس کا گھول پلا کر انکے جسم اور دماغ کی گرمی ختم کی جارہی تھی تو دوسری طرف قدسیہ اسی اماتاس کا جلاب موری میں پھینک کر سب سے بغاوت کر رہی تھیں۔ انہوں نے گھر، خاندان، سماج، مذہب سب کے بنائے اصولوں کی نفی کردی تھی اور اپنی دنیا آپ بنانے کو تیار تھیں۔ بقول جگدیش چندر ودھاون ''یہ ان [illegible] وردہ بڑی بوڑھیوں کے خیالات تھے جو اوروں سے پرمسرت اور پرسکون زندگی کا حق چھین لینا چاہتی تھیں۔ انہیں حیرت تھی کہ یہ سوکھے ٹھونٹھ میں کونپلیں کیوں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ قدسیہ خالہ ٹھونٹھ ہی رہیں اور کبھی برگ و بار سے بہرہ ور نہ ہوں'' 2۔ ''یہ خدا کی قدرت ہے کہ بڑھتے ہوئے پیڑ کو، بہتے ہوئے دریا کو، اور چلتی ہوئی ہواؤں کو کوئی نہیں روک پایا ہے۔ قدسیہ کے اندر ایک طوفان امڈ رہا تھا جو نمودار ہونے کو بے قرار تھا۔ اب قدسیہ خالہ بستر [illegible] لیٹے رہنے کے بجائے گھنٹوں آنگن میں ٹہلا کرتیں۔ طرح طرح کے ابٹن چہرے پر ملنے سے رنگ میں نکھار آگیا تھا۔ بال لمبے ہوگئے تھے بال چھٹ اور مسالے لگانے سے۔ اب وہ ''زہر عشق'' مثنوی، میر اور غالب کے دیوان پڑھتیں اور گھنٹوں شبیر ماموں سے اس کے مطالب پوچھا کرتیں۔ اور دونوں دیر تک اسی میں سر کھپایا کرتے۔ اب وہ نہایت نفیس کپڑے پہنتیں اور عطر، پھول کا استعمال کرتیں، چکن کی قمیص پر چنے ہوئے دوپٹے اوڑھتیں، پھول بھری بالیاں پہنتیں اور خلا میں دیکھ کر ایسے مسکراتیں جیسے ان کے بھی کوئی غازی میاں کھڑے ان سے چھیڑ خانی کر رہے ہوں'' 3

اور اس طرح قدسیہ خالہ نے بھی بوا کی طرح ایک روحانی عاشق ڈھونڈھ ہی لیا۔ عاشق چونکہ مرد تھا اس لئے غیر معمولی طور پر لوگ ان سے رعب کھانے لگے اور اب قدسیہ خالہ نہایت بے باکی سے جسکا چاہتی جواب دیتیں۔ جسکو چاہتی مارتیں اور جو جی میں آتا کرتیں۔ مگر کیا مجال کہ لوگ انہیں روکیں، انکے کردار کا یہ انداز اور یہ نیا روپ قاری کو چونکا دیتا ہے۔ اور گھر کا کوئی بھی فرد قدسیہ کی چالاکی کو نہیں پہچان پاتا۔ سوائے مچھو چچا کے۔ وہ اکثر کہتے قدسیہ بیگم تم بڑی چالاک ہو۔ اور وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گستاخ مسکراہٹ بکھیر دیتیں...... جیسے پوچھ رہی ہوں کیا کرلوگے؟ مچھو چچا قدسیہ سے محبت کرتے اور انکا بھلا چاہتے تھے۔ یہ بات قاری کو قدسیہ کی بیٹی رفیعہ حسن کی زبانی معلوم ہوتی ہے۔

قدسیہ کے بدلتے رویے کو عصمت نے اس قدر عمدہ انداز میں بیان کیا ہے کہ بار بار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بقول وضاحت حسین رضوی ''یہ کیفیت ہے عشق و محبت کی ایک منزل کی۔ اس کے علاوہ سنگار کرنا، رنگین کپڑے زیب تن کرنا، صبح کی نماز قضا کرنا، شبیر ماموں سے گھنٹوں گھنٹوں چپکے چپکے باتیں کرنا، گھر کی عورتوں کے تنبیہ کرنے پر کھل کر جواب دینا۔ یہ وہ ساری علامتیں ہیں جو قدسیہ کے کردار کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ قدسیہ کا کردار ہمارے معاشرے کے مظالم اور سرگرمیوں سے ابھرنے والا کردار ہے، جس میں زندگی ہے۔ شبیر ماموں کے داخلے پر پابندی لگنے کے بعد قدسیہ افسوس نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا باغیانہ جذبہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔ اس کی جھنجھلاہٹ کئی موقع پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جو زندہ کردار ہونے کی دلیل ہے'' 4

1۔ اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار — نیلم فرزانہ — صفحہ ۱۰۵
2۔ عصمت چغتائی کی شخصیت — جگدیش چندر ودھاون — صفحہ ۲۲۲
3۔ دل کی دنیا — عصمت چغتائی — صفحہ ۸۲
4۔ اردو ناول کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ — وضاحت حسین رضوی — صفحہ ۱۵۷

یہی زندہ کردار ہے جو چچا جیسے پہلوان کو جوتیوں سے مارتی ہے۔ نانی اماں کی کلائی اینٹھ دیتی ہے۔ اور جو کوئی اسکی طرف اعتراض کی انگلی اٹھاتا ہے وہ اسے توڑ دینا چاہتی ہے۔ عصمت نے اس کردار کو ترقی پسند بنا دیا۔ اس ناول کی ایک ایک جملہ، ایک ایک مکالمہ اور ایک ایک عمل ہمیں ترقی پسندی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہی ترقی پسند قدسیہ ایک روز گھر سے غائب پائی گئی۔ گھر والوں نے سمجھ لیا کہ قدسیہ نے باولی میں کود کر جان دے دی۔ چلو قصہ ختم ہوا۔ مگر یہ ناول عصمت کا شاہکار ہے جس پر انکو ناز ہے۔ اس کا خاتمہ اتنی سادگی سے کیسے ہو سکتا تھا۔ اسی لئے عصمت نے بیس برس بعد قدسیہ اور شبیر کی بیٹی رفیعہ حسن کو بمبئی میں پھر اسی خاندان کی ایک لڑکی جو خود مصنفہ سے ملوا دیا۔

حالانکہ پروفیسر شریف احمد کو ناول کا یہ انجام پسند نہیں۔ وہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ کو کہانی کا واضح انجام دکھانا مقصود تھا۔ ذہین قاری کے لئے کسی واضح انجام کی طرف اشارہ کرنا بہت ضروری نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ناولٹ میں شروع سے اور قدسیہ اور شبیر کے فرار ہو جانے تک مقصدیت فن کے جدید پردوں میں چھپی رہتی ہے۔ لیکن رفیعہ حسن سے ملاقات اور گفتگو ایک طرح کی کھلی نصیحت اور پند معلوم ہوتی ہے جو عصمت کا شعار نہیں" [1]

پروفیسر کا اعتراض حق بجانب ہے مگر رفیعہ حسن ناول میں آتیں اور گفتگو کے دوران وہ والدین کے بارے میں نہ بتاتیں اور پھوپھی چچا کے ایثار، قربانی اور محبت نہ بیان کرتیں تو پھوپھی چچا کے کردار کے ساتھ ناانصافی ہی ہوتی۔ کیونکہ تب قاری انہیں رنڈی اور باز مکار انسان ہی سمجھتا رہتا۔ کیونکہ رفیعہ حسن کی گفتگو کے بعد ہمارے دل میں پھوپھی چچا کے لئے جو عزت پیدا ہوئی اور ہم انکی خاموش محبت کے قائل ہو گئے وہ نہ ہوتا۔

یہ عصمت کے قلم کا کمال ہی ہے کہ انہوں نے اس قدر واہیات اور کریہہ کردار میں بھی جان ڈال دی ہے۔ برائی میں اچھائی پیدا کر دی ہے کہ قاری ناول کے آخر میں انکے ایثار و قربانی کا قائل ہو جاتا ہے۔ یہ سماج کے گہرے مشاہدے کا ہی کمال ہے کہ عصمت برائی میں بھی اچھائی کے پہلو تلاش کر لیتی ہیں۔ یہی تو عصمت کی بڑی خوبی ہے کہ وہ انسان کے باہری رنگ و روپ سے زیادہ اندرونی خوبصورتی پر توجہ دیتی ہیں۔ تبھی تو پطرس بخاری کا خیال درست معلوم ہوتا ہے "...... ان کے یہاں مرد یا عورت کے حسن و جمال کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جو جذبہ ان کے پیش نظر ہے اس کی تحریک کے لئے حسن کی ضرورت نہیں۔" [2]

پطرس بخاری کے اس قول کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر عصمت کے ناولوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عصمت کی ہیروئن نہ خوبصورت ہوتی ہے نہ نازک اندام نہ پنکھڑی جیسے ہونٹ نہ بل کھاتی کمر، نہ کالی گھٹا جیسے لہراتے بال، نہ جاندار چال مگر کیا غضب کے کردار تخلیق کرتی ہیں کہ دل و دماغ میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ چاہے وہ "ضدی" کی آشا یا اُشا ہو، یا "معصومہ" کی بیگم صاحبہ یا معصومہ عرف نیلوفر۔ چاہے "ٹیڑھی لکیر" کی شمن ہو، رسول فاطمہ، نسیم، حیرن ہو یا پھر "جنگلی کبوتر" کی چاندنی۔ انکی تمام ناولوں کی ہیروئن خوبصورتی میں کوئی کمال نہیں رکھتی۔ بس ان کا عمل اور مکالمہ انکے اندر جان ڈال دیتا ہے۔ انکے کرداروں میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ الگ الگ فطرت کے انسانوں کو عصمت بڑی سہولت سے پیش کرتی ہیں۔ یہی عصمت کی خوبی ہے کہ ہمیں ایک ہی ناول میں مختلف طرح کے کردار یکجا مل جاتے ہیں۔ جہاں مختلف خیالات، مختلف سوچ، مختلف وضع قطع، انسانوں کی ایک پوری دنیا اس مختصر سے مختصر ناول میں آباد ملتی ہے۔

"دل کی دنیا" میں جہاں تک اسلوب نگاری، زبان اور انداز بیان کا تعلق ہے لاجواب ہیں یہ سب۔ اس مختصر سے ناول میں زبردست اور بہت زیادہ مکالمے بھرے پڑے ہیں، جو بامعنی بھی ہیں اور برموقع بھی۔ جو گہری معنویت بھی رکھتے ہیں اور گہرا مشاہدہ بھی پیش کرتے ہیں۔ جنکو پڑھ کر مزہ بھی آتا

---

1. مقدمہ دل کی دنیا — عصمت چغتائی — صفحہ ۱۲
2. اردو کی ناول نگار خواتین ترقی پسند تحریک سے دور حاضر تک — ڈاکٹر سید جاوید اختر — صفحہ ۷۵

ہے۔ کیونکہ لطف بھی ادب کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔ عصمت کی زبان رسیلی اور رواں ہے جو کہانی کو بڑے مزے سے بیان کرنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔ عصمت کا بیان مکالمہ بالکل اس قسم کا ہوتا ہے کہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس ناول میں عرس کا منظر، بالے میاں سے بات کرنے کا انداز، یا قدسیہ اور شبیر حسن کی خاموش محبت ہمیں بالکل اپنی آنکھوں سے دیکھی بھالی معلوم ہوتی ہے۔ عصمت چغتائی کی زبان کی تعریف کرتے ہوئے نیلم فرزانہ لکھتیں ہیں کہ" ...... ان کی نثر کی اصل انفرادیت تشبیہات، روزمرہ اور گھریلو محاورات کا بے محابہ استعمال ہے .... عصمت کی زبان کا دوسرا وصف عورتوں کی مخصوص زبان کا استعمال ہے، انکے یہاں عورتوں کے روزمرہ اور محاوروں کا بے محابہ اور برمحل استعمال ملتا ہے۔ عصمت کے مکالمے بھی فطری اور برمحل ہوتے ہیں ......" [1]

عصمت چغتائی کے چند مکالمے ملاحظہ ہو

" غازی میاں کو جام شہادت پئے چار سو سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ عشق صدیوں کے ہیر پھیر کا قائل نہیں ......" (۳۹)

" قدسیہ خالہ کو دل لانے کے گر معلوم کرنے کی بڑی فکر رہا کرتی تھی۔ تن من دھن نچھاور کرنے کے بعد بھی انہیں تو کسی کا دل نہ ملا " (۵۲)

" جیسے ہم بچے ہی رہ گئے اور وہ سیانی ہو گئیں ......" (۷۱)

" بہشت کے دروازے کی چابیاں خلط ملط ہو جاتیں ......" (۷۳)

" اے بی یہ کیا چال ہے جیسے لقا کبوتری۔ آ گیا چھپایا باہر کو نکل پڑتا ہے ......" (۹۱)

" سب دور پے ـــ شکاری کتوں میں گھری ہوئی ہرنی کی طرح وہ سر پیر سے لرزنے لگیں ......" (۱۰۱)

" لو بھئی یہ پڑی ہیں قدسیہ بانو۔ اس وقت بے ہوش ہیں۔ اچھا موقع ہے چپکے سے کوئی آؤ اور گلا گھونٹ دو۔ رنجھار نجھا کے نہ مارو " (۱۰۳)

ان چند مکالموں کے علاوہ بہت سے مکالمے ایسے ہیں جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قاری پوری طرح ناول کی گرفت میں رہتا ہے جب تک کہ ناول ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے بعد بھی ایک حصار سا باقی رہتا ہے۔

اس ناول میں بوا کے کردار کے ذریعہ عصمت چغتائی نے نہایت عمدہ اودھی زبان کا استعمال کیا ہے۔ بوا کی زبان اودھی ہے اور جو گیت مصنف نے بوا کی شخصیت کو نکھارنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ بہت موضوع ہے۔ کہانی میں الگ سے ٹھنسا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ بوا کی زبان نہ صرف انکی بلکہ ناول میں بھی نیا پن پیدا کر دیتی ہے۔

" دھنا رے روئے انکھیاں لال گال
پان پچاسی کے بیڑا لگائے
ہمرے ٹھور پیا اجہو نہ آئے
دھنا رے روئے ...... انکھیاں " (۴۸)

اور اب بوا کی بات چیت ملاحظہ ہو۔

" اوہم کا بلاوت ہیں؟ ......" (۵۴)

" کون ہم اکیلے گھومت ہیں؟ ارے ہم اکیلے ناہیں ہم ساتھ او جو رہت ہیں " (۵۵)

"جاو ...... نہ آویں ہے! انہوں نے بوا کو ڈانٹا

"بھابی ہم ...... [illegible]

---

[1] اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار ـ نیلم فرزانہ ـ صفحہ ۱۱۵

''ارے ہم کا کہت کا ہے؟ ہم کوئی پتر یا ہن کسا ئی ہن؟''

''جل کے مرنڈ ہوا جات ہے، کہت ہے ہر جائی ہیں!.....'' (۶۴) ۱

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت خوبصورت زبان عصمت نے نہایت عمدہ طریقے سے پیش کی ہے۔ جگدیش چندر وداون رقم طراز ہیں'' اس ناول میں معنی خیز اور فکر ... جملے جو عصمت کے زندگی بھر کے غور و فکر، مطالعات، تجربات اور مشاہدات کا حاصل ہیں، جا بجا ملتے ہیں۔ قاری اکثر اوقات انہیں پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ ذرا رک کر تھم کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ایسی تحریریں حساس اور باذوق قاری کے قلب و ذہن پر اپنی مستقل چھاپ چھوڑ جاتی ہے ... پھر یہاں وہاں ان کی تحریر شعریت میں ڈوبی ہوئی ملتی ہے۔ جو بہار دے جاتی ہے اور دل و دماغ معطر ہو جاتے ہیں'' ۲

عصمت چغتائی نے اس مختصر سے ناول میں کہیں کہیں داستانوی انداز بھی استعمال کیا ہے، جو ناول کو اور بھی زیادہ دلچسپ بناتا ہے۔ کہیں اودھی زبان کہیں سلیس اردو اور کہیں داستانوی انداز۔ عصمت نے ان تینوں کا جو تال میل بٹھایا ہے لاجواب ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو۔

داستانوی انداز ملاحظہ ہو:۔

'' کالے دیو نے قدسیہ خالہ کی گردن کاٹ کے سرہانے کی چھڑی پائنتی اور پائنتی کی سرہانے رکھ دی تھی۔ اس کی گردن سے لعل ٹپک ٹپک کر شبیر ماموں کی جھولی میں گر رہے تھے مگر وہ بے بس تھے کیونکہ دیو نے جادو کی چھڑی گھما کر انہیں مکھی بنا دیا تھا۔ اگر ان میں اتنی سکت ہوتی اور وہ آگے بڑھ کر پائنتی کی چھڑی سرہانے رکھ دیتے تو قدسیہ خالہ کا کٹا ہوا سر فوراً جڑ جاتا ...'' (۸۹)

ان تمام موضوعاتی، مکالماتی، منظر نگاری کی خوبیوں کے باوجود عصمت نے چند خصوصیات اور پیش کی ہے۔ جیسے اس میں طلاق کے مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ اور عورت کے حق ''خلع'' پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ قدسیہ بیگم طلاق نہ ملنے پر اپنے حق کا استعمال کرتیں ہیں اور خلع لے کر شبیر ماموں سے شادی کرتیں ہیں۔

عصمت نے منظر نگاری اس قدر جاندار اور حقیقی کی ہے کہ منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ چاہے وہ قدسیہ خالہ کا دوپٹہ رنگنا ہو، شبیر ماموں سے پڑھنا ہو یا بوا کی آمد ہو۔ ہر جگہ پر منظر حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور ایک کے بعد ایک منظر سے ہم روبرو ہوتے رہتے ہیں۔ چاہے وہ دقیانوسی عورتوں کی گفتگو ہو، چاہے پھوپھو کا خاموش عشق ہو یا پھر ترقی پسند لڑکی رفیعہ حسن کی آمد ہو۔ ہر منظر میں عصمت جان ڈال دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو جب بوا پہلی مرتبہ گھر میں داخل ہوتی ہیں اس وقت کا منظر'' پھر خدا خدا کر کے ایک دن ان کا جی کرا اور وہ کھٹ سے آگئیں۔ نہایت بے تکلفی سے بغیر کسی سے بولے چالے پانی پینے کے مٹکوں کے پاس گئیں، ایک کٹورا پانی پیا تھوڑا سا آنچل میں بندھی بیلے کی کلیوں پر چھڑکا، پھر آنچل سر پر دھر لیا ...'' (۴۷)

ان تمام تر خصوصیات کے علاوہ چند نکات عصمت چغتائی نے بیان کئے ہیں۔ جنکا ذکر کرنا لازمی ہے۔ پہلا یہ کہ عصمت چغتائی نے جہاں خلع کی وکالت کی ہے۔ وہیں آزاد محبت یعنی "Free love" کا نظریہ بھی بھرپور طریقہ سے پیش کیا ہے۔ اور اسکی حمایت کی ہے۔

''دل کی دنیا'' میں چند خامیاں بھی ہیں۔ مگر خوبیاں اتنی حاوی ہیں کہ خامیوں کی طرف نظر ہی نہیں جاتی۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اردو کے ناولوں کی جب بات چلے تو اس ناول کا ذکر ہونا اتنا ہی لازمی ہونا چاہئے جتنا کہ ''ٹیڑھی لکیر'' کا۔ کیونکہ اس مختصر سے ناول میں عصمت نے ناول کے فن کی تمام خوبیاں ڈال دی ہیں۔ کیونکہ اس کا موضوع، کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری، نظریہ حیات ہر وہ چیز جو ناول کو اعلیٰ پیمانہ کا بناتا ہے ہر وہ خوبی جو ایک ادنیٰ ناول میں نہیں اور اعلیٰ ناول میں ہوتی ہے اس میں موجود ہے۔ تبھی تو ہزار ناقدین نے اسکو توجہ نہیں دیا مگر جس نقاد کی نظر اس پر پڑی ہے اس نے ساختہ اور برجستہ تعریف کی ہے، جگدیش چندر ودھاون جنھوں نے عصمت پر کافی کام کیا ہے وہ اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں'' اس ناول کے ...

---

۱ دل کی دنیا عصمت چغتائی

۲ عصمت چغتائی فن اور شخصیت جگدیش چندر ودھاون صفحہ ۲۲۲

قابل اعتنا اور قابل توجہ قرار دیتے ہیں وہ اس کی جاذبیت اور دلکشی ہے۔ بھرپور کردار نگاری ہے، پرکشش اور موزوں جزئیات ہیں۔ زبان و بیان کا حسن ہے اور یہ سب مل کر قاری کی توجہ ... تھے رکھتے ہیں۔'' ۱

اسی طرح اقبالیات کے ماہر پروفیسر شریف احمد نے بھی عصمت کے اسی ناول کی بے تحاشہ تعریف کی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں '' دل کی دنیا نہ صرف عصمت کے چھوٹے ناولوں میں نمایاں اور ممتاز ہے، بلکہ اردو کے اہم اور قابل ذکر چھوٹے ناولوں میں بہت سوں پر سبقت رکھتا ہے۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ ''دل کی دنیا'' ناول تو چھوٹا سا ہے مگر اس میں انسانی جذبات و احساسات کی ایک بڑی جنت آباد ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس جنت سے ملی ہوئی دوزخ بھی موجود ہے۔'' ۲

یہ اس قدر عمدہ ناول ہے کہ کل اسی (۸۰) صفحات کے اس ناول پر جو تبصرہ لکھے گئے ہیں وہ ۲۶ اور ۱۸ صفحات کے ہیں۔ جو قابل تعریف ہیں۔ ورنہ تو ناقدین نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اور میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر سنجیدہ ناقدین اس ناول کی طرف نظر ثانی کریں تو یہ ناول بھی اردو ادب کا ... ین ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ادب میں '' گاگر میں ساگر'' بھرنے کا جو تصور ہے وہ یہاں مکمل طور پر نظر آتا ہے۔

''عصمت چغتائی کی یہ شکایت حق بہ جانب لگتی ہے کہ اس کا (دل کی دنیا) کسی نے (نقادوں) نوٹس نہیں لیا۔ سب نے مجھے ادبی Vamp بنا دیا۔'' ۳

شبنم رضوی
کرامت حسین مسلم گرلز پی جی کالج
نشاط گنج۔ لکھنؤ
5.8.07
Mob-9415547544

۱۔ دل کی دنیا (مقدمہ شریف احمد) عصمت چغتائی صفحہ ۲۶

۲۔ عصمت چغتائی فن اور شخصیت جگدیش چندر ودھاون صفحہ ۲۲۲

۳۔ عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر ابوالفیض سحر (آج کل) ۱۹۷۳